پیام رسان اُمت (قسط۔۶)

(حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی نوراللہ مرقدہٗ)

دوسرا اھم مسئلہ فتنہ مغرب کا مقابلہ:

عصرِ حاضر کا دوسرا سب سے اہم مسئلہ جس سے امت طوعاً وکرہاً دوچار ہے۔ فتنہ مغرب ہے جس کی ہلاکت آفرینیوں نے پوری امت کو انتہائی خطرناک آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے۔ (۱) آج مغرب کا سیاسی و ذہنی اقتدار و سیادت (Leadership) پورے عالم پر محیط ہے مشکل یہ ہے کہ مغربی افکار وعقائد، علوم وفنون، تہذیب تمدن، سیاست ومعاشرت، اقتصادیات ومعاشیات، غرض انسانی زندگی کے ہر پہلو اور اس سے متعلقہ علم کی بنیاد نری مادیت اور ظواہر پر ہے۔ یہاں تک کہ نام نہاد مغربی روحانی اور مابعد الطبیعاتی افکار و تصورات بھی مادی آلائشوں سے پاک نہیں، بلکہ انہیں کا ثمرہ ونتیجہ ہیں۔ روحانی اقدار اور غیبی قویٰ سے انکار عصر حاضر کا خاصہ و امتیاز ہے۔

؎ عصر ما وارفتہ آب و گل است
اہل حق را مشکل اندر مشکل بہت

ترجمہ: ہمارا دور حد سے نکلا ہوا ہے جس کی وجہ سے اہلِ حق کو مشکل ہی مشکل درپیش ہیں۔

تاریخ انسانی نے اس سے پیشتر شاید ہی مادیت کا ایسا غلبہ و استیلاء و ترقی جگمگاہٹ دیکھی ہو۔ اشتراکیت نے تو کھلے بندوں،'' لاسلاطین '' کی نفی کے ساتھ '' لاکلیسا '' و '' لاالٰہ '' کا منفی نعرہ بلند کر کے مغربی لادینی مزاج کا اظہار اور روحانی اقدار سے انکار کر ہی دیا ہے بقول اقبال :

؎ کردہ ام اندر مقاماتش نگہ لاسلاطین، لاکلیسا، لاالٰہ

ترجمہ: میں نے اس مغربی نظام کے بارے میں غور کیا۔ یہ نظام تو نہ بادشاہ ہے، نہ کلیسا ہے، نہ خدا ہے کا نعرہ بلند کر رہا ہے۔

لیکن جو اقوام مسیحیت کا دم بھرتی ہیں ان کی حالات دیکھ کر حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب یہ قول یاد آجاتا ہے۔'' یہ امت ہونٹوں سے تو میری تعظیم کرتی ہے لیکن ان کے دل مجھ سے دور ہیں اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔'' (انجیل مرقس۔۷۔۸)

مغرب کے اس مادی وملحدانہ مزاج کی بنا پر وہ تمام علوم وفنون جنہوں نے ان کے دل ودماغ سے فروغ پایا، اپنے اندر مادیت والحاد اور لادینیت کے اثرات کو سموئے ہوئے ہیں۔ وہ معاشی علوم و فنون جن کے بعض دنیاوی افادی پہلوؤں سے انکار نہیں، وہ بھی ان کریہہ اور مہلک اثرات سے نہیں بچ سکے اور ''اثمھما اکبر من نفعھما ''(ان کے نقصان ان کے فائدوں سے بڑے ہیں) کے مصداق ہیں۔

نکتہ ہائے گفت او آمیختہ در جلابِ قند زہرِ ریختہ

ہاں مشو مغرور زاں گفتِ نکو زانکہ باشد صد بدی در زیر او (رومیؒ)

ترجمہ: اس کی کہی ہوئی باتوں میں ملاوٹ ہے، اس کے میٹھے جلاب میں زہر ڈلا ہوا ہے، اس کی اچھی باتوں سے دھوکہ نہ کھا کیونکہ ان کے نیچے سو برائیاں پڑی ہوئی ہیں۔

ظاہر ہے جو تہذیب وتمدن ان لادینی وملحدانہ نظریات پر استوار ہوگا اس کی رگ وپے میں بے دینی، آخرت فراموشی، خدا بیزاری سرایت کئے ہوئے ہوگی۔ نتیجۃً اس تہذیب وتمدن کا جس قدر فروغ ہوگا، لادینی افکار ونظریات پھلیں گے۔ ایمانی حقائق وبصائر سے اعراض، آخرت فراموشی اور ''رضوا بالحیوٰۃ الدنیا واطمأنوا بھا ''(راضی ہو جاؤ دنیا کی زندگانی پر اور پالو اسی سے اطمینان) کی حالت کا چلن ہوگا۔ چنانچہ عالمگیر فتنۂ مغرب کی ہمہ گیری نے اس منظر کو ایک ناقابل انکار حقیقت بنا دیا ہے۔ اور امتِ مسلمہ کو ایک انتہائی نازک وتشویشناک حالت سے دوچار کر دیا ہے۔

فتنہ مغرب اور اسلام و مسلمان:

اسلام ہی وقت کا الٰہی وآسمانی دین ہے جس کے سپرد قیامت تک ہدایتِ خلق کا دائمی پیام وسامان ہے۔ اس بنا پر مغرب وجاہلیت حاضرہ کا معرکہ ومقابلہ اسلام ہی سے ہے کہ دوسرے آسمانی مذاہب وایمان اپنا وقت پورا کر چکے اور منسوخ ہو چکے۔ اس لئے ان سے اصلاً مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مزید برآں دیگر مذاہب تحریف وتغیر کے عادی ہیں لیکن اسلام جیسا لافانی اور جاودانی دین کسی قطع وبرید (کاٹ چھانٹ) کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس سانحہ کا سب سے اندوہناک پہلو یہ

ہے کہ امتِ مسلمہ خود ان جاہلی علوم ونظریات کی زد میں ہے۔ اس وقت امتِ مرحومہ کا کوئی حصہ، خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو کفر والحاد، زندقہ ودہریت اور مادہ پرستی کی ان مسموم (زہریلی) ہواؤں سے محفوظ نہیں (عرب وشام عراق واُردن، ترکیہ وایران اور پاکستان وغیرہ مسلم ممالک اوران کی حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں) مسلم ممالک جس طرح مغربی افکار ومعاشرت، تہذیب وتمدن کا شکار ہورہے ہیں، اصحاب فکر ونظر سے پوشیدہ نہیں۔ اشتراکی ممالک میں مسلمانوں کی جو حالت ہے اس کا کچھ نظارہ یوگوسلاویہ میں دیکھا تھا۔ کیا کہوں

دیدۂ دل سے خون بہہ نکلا
ٹوٹے دیکھے ہیں چند پیانے

غرض پورا عالمِ اسلام فتنۂ مغرب سے ایک عالمگیر وہمہ گیر اور دور رس نتائج کے حامل ابتلا (آزمائش) میں گرفتار ہے۔ والیٰ اللہ المشتکی۔

درعجم گردیدم وہم درعرب
مصطفٰی نایاب وارزاں بولہب

ترجمہ: میں عجم میں بھی پھرا اور عرب میں بھی پھرا، مصطفیٰ کو نایاب اور ابولہب کو ارزاں پایا۔

بقول حضرت سید الملۃ سلیمان الندوی قدس سرہٗ " تعلیم جدید کی نئی آب وہوا نے تفرنج و فرنگی مآبی کا وہ زہر پھیلا دیا ہے جس سے دین، عقائد واعمال کی ہر چیز پر مردنی چھا گئی ہے۔ اور جہاں دین کا کچھ خیال زندہ بھی ہے، شکوک وشبہات کی کثرت اور شدت نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔ یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کا فخر ہے۔ ہمارے دارالسلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں، ہماری خواتین کے سامنے انگلستان وفرانس کی عریانی ورنگینی وبے حجابی ہے، ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص، سرود اور ظاہری پوشاک ووضع وطرز ماندوبود میں فرنگی مآبی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے۔ علم وفن پر غور کیجئے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یورپین ضلالت وگمراہی کے خیال کی عکاسی میں مصروف ہے

اور سوائے تقلید ونقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا تخیل آتا ہے تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہوش ربائی اور باطل آرائی کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہوجاتی ہے کہ اسلام کا تصور سیاست اور تصور تمدن اور تصور علم وفن اپنا خاص ہے۔ اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہماری قومی وملی غرض وغایت ہے۔

مسلمانوں کے ایک طبقے پر مغربی اثرات:

بڑی مشکل یہ ہے کہ مغربی مادی سطوت وشوکت، طبیعاتی دسترس، اس کے تہذیب وتمدن کی ظاہری رونق وچمک دمک نے امت کے کثیر تعلیم یافتہ، ذہین اور صاحبِ اقتدار طبقہ کو اس طرح مسحور اور ازخود رفتہ کردیا ہے کہ وہ مغرب ہی کو معیار حق وباطل سمجھنے لگا ہے اور خیر وشر، حسن وقبح، نیکی وبدی، جائز وناجائز کے الٰہی واسلامی احکام ونظریات سے بے پرواہ ہوکر یورپ کی تقلیدِ جامد میں مبتلا ہوتا جارہا ہے۔ یہ خود فراموشی اور مغرب زدگی امت کے وجود وبقا کے لئے تاریخ کا سب سے عظیم خطرہ بنی چلی جارہی ہے۔ موجودہ عصری علوم می تابانی نے الٰہی علوم کی حقیقت ومنزلت گم کرکے رکھ دی ہے۔ آج ہمارے فکر وادراک کی جولانیوں، ہماری ذہنی وفکری کاوشوں اور قلبی اذعان وایقان کا سرمایہ واثاثہ بھی عصرِ نو کے علوم انسانیہ ہیں جنہیں ہم نے حقائق مطلقہ اور یقینیات کا درجہ دے دیا ہے اور ان پر ہمارا ایمان واعتماد اس طرح راسخ ہوچکا ہے کہ ہر علم وخبر جو ہمارے ان مفروضہ حقائق ویقینیات کے خلاف ہو ہم اس کے انکار کے درپے ہوجاتے ہیں۔

عصرِ حاضر کے لادینی علوم کا مقابلہ:

اس لئے دینی محاذ پر سب سے پہلی ضرورت ان مفروضہ علمی حقائق ویقینیات کا تجزیہ ہے۔ بتایا جائے کہ ان علوم کا اکثر حصہ محض ظن وتخمین، قیاسات اور اوہام پر مبنی ہے اور علوم انسانی کا وہ حصہ جسے تاریخی تواتر اور متوارث تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر یقینیات کا درجہ دے دیا گیا ہے وہ بھی ہر آن تغیر وتبدل کا محل، او چھا اور اشیاء کی اصل حقیقت جاننے سے قاصر ہے۔ (خواص اشیاء کا جاننا اور بات ہے اور حقیقت

اشیاء کا جاننا اور) اس بنا پر ایمانی حقائق اور دینی مسلمات کا مدار ان ظنوں وقیاسات پر نہیں رکھا جا سکتا۔ ضرورت ہے کہ الٰہی علم کے محکم یقینی لامحدود اور پائیدار ہونے کو ثابت کیا جائے اور انسانی علوم پر اس کی فوقیت بتائی جائے۔ اور ان علوم کے اس حصہ کی تنقید و ابطال کیا جائے جو الٰہی یقینی علوم سے ٹکراتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات واضح کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ انسان ظنی علوم کے صرف اسی حصہ کی نشاندہی اور رد ضروری ہے جو دینی حقائق سے ٹکراتا ہے۔ ورنہ جو حصہ دین سے نفیاً یا اثباتاً مخالف نہیں اس کے درپے ہونا سعی لاحاصل ہے۔ غرض ایک طرف انسانی علوم کے ارتقاء کی تاریخ، ان کا تجزیہ، ان کا ظنی ہونا اور الٰہیات کے بارے میں اس کی نارسائی اور بیچارگی اور انسانی مسائل کے حل کرنے میں اس کی ناکامی کو واضح کیا جائے۔ تو دوسری طرف الٰہی علوم کی حقیقت وماہیت، انسانوں کی رہنمائی کے لئے اس کی ضرورت، اس کا یقینی اور غیر متبدل ہونا اور انسانی مسائل کا صحیح ودائمی حل انہیں سے ثابت کیا جائے۔ الٰہیات کے بارے میں عصرنو کی بے بصری انسانی کمالات وجواہرِ اصلیہ کی ناشناسی اور اس کے ضیاع کی کوششوں کی نشاندہی کی جائے اور یہ بات واضح کردی جائے کہ صنعتِ اشیاء کا اپنا میدان ہے اور انسانی جواہرات کے چمکنے کا دوسرا محل ہے۔ آج مادہ واشیاء بن رہی ہیں اور انسان، انسان کی حیثیت سے مٹتا چلا جارہا ہے۔ انسان کائنات کے ظواہر کی تسخیر میں کسی مقام پر پہنچ جائے، اس کا علم الٰہیات کے حقائق اور سچائیوں کے جاننے سے قاصر رہے گا کہ یہ علوم وحقائق حریمِ نبوت کے دائرے وحدود سے باہر کسی پر نہیں کھولے جاتے۔ جیسے بصارت سے محروم شخص کسی چیز کی رویت سے محروم رہتا ہے، اسی طرح نبوی بصیرت ہی پر الٰہیات کا باب کھولا جاتا ہے اور پھر دنیا میں جسے ملتا ہے انہیں کے واسطے سے ملتا ہے۔ بہرحال مقصد یہ ہے کہ موجودہ علوم وفنون کی تابانی کی بنا پر نبوی علوم کا انکار، الٰہی حقائق کا ابطال، عقائد دینیہ کا رد، ناواقفیت، جہالت، تقیحِ ناشناسی اور خود اس علم کا بے محل استعمال ناانصافی اور ظلم وزیادتی ہے۔ ان علوم کا دائرہ الٰہی اور دینی علوم سے جداگانہ وعلیحدہ ہے۔ اگر ان انسانی علوم کی رسائی الٰہی حقائق، غیبی وروحانی رموز ودقائق، دینی صداقتوں اور نبوی علوم تک کسی صورت میں بھی ہوسکتی اور انسان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت اور الٰہیات کے دیگر مسائل

اس کی عقلی و تجرباتی قیاسی اور ظنی کوششوں سے کھل سکتے تو انبیاء کی بعثت کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ نبوت موہبت واجتبا ہے، کسب و تجربہ عقل و ظن کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس لئے دنیاوی علم و فہم "تجربہ و عقل" کے آسمانوں پر اڑنے والے اور سورج اور چاند پر رسائی پانے والے اذہان "الٰہیات کی دنیا" اور معرفت وعرفان کے عالم میں اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے نہ سمجھنے کی بنا پر ایک اچھا خاصہ طبقہ دینی حقائق اور الٰہی صداقتوں کے بارے میں مذبذب اور شک و ریب میں مبتلا ہو گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ طبیعات و الٰہیات کے دوائر اور انسانی اور نبوی علوم کی حدود کو متعین کیا جائے۔ آج بھی موجودہ علوم وسائنس کے ماہرین کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا وہ قول صادق آتا ہے جو قدیم طبیعین وفلاسفہ کے متعلق انہوں نے کہا تھا۔

"لعم لهم فى الطبيعات كلام غالبه جيد وهو كلام كثير واسع . ولهم عقول عرفوا بها ذلك وهم قد يقصدون الحق لا يظهر عليهم العناد و لكنهم جهال به " العلم الالهى " الى الغاية ليس عندهم الا قليل كثير الخطاء " (کتاب الرد علی المنطقیین ص ۱۴۳)

ترجمہ: فلاسفہ و طبیعین کا طبیعات کے بارے میں جو کلام ہے اس کا غالب حصہ عمدہ ہے اور یہ کلام کثیر وسیع ہے۔ ان کی عقلوں نے ان علوم کو جانا ہے اور وہ اس بارے میں حق کا قصد کرنے والے ہیں اور عناد ظاہر نہیں کرتے لیکن علم الٰہی کے بارے میں غایت درجہ جاہل ہیں اور ان کے پاس علوم الٰہیہ کا بہت ہی قلیل اغلاط سے بھرپور حصہ ہے۔

ے

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں توسفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

(جاری ہے)

بیانِ جمعہ مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی

(۲۰۰۹-۳۰-۱)

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

خطبہ ماثورہ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه. (بقرہ:۱۶۵)

ترجمہ: اور جو مومن ہیں اُن کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔

(معارف القرآن)

محترم بھائیو اور دوستو! یہ آیت میں نے پڑھ لی اس میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ ایمان والے بہت شدت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والے ہیں۔ محبت نفسیات کے رو سے دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کو کہتے ہے طبعی محبت دوسری کو عقلی محبت۔ ایک آدمی پیاسا ہو، اس کو پانی ملنے کی چاہت اور محبت ہو۔ پیاس اس شدت سے وہ اپنے اندر محسوس کر رہا ہے اور اس کو اس وقت ایک کشش اور جذب پانی کی طرف ہو رہا ہے تو یہ محبت ہے طبعی۔ اس کو اندر محسوس کر رہا ہے اس کو پانے کی کوشش کر رہا ہے یہاں تک اس کو پالیتا ہے۔ اس کو پی لیتا ہے تو اس کو تسلی ہو جاتی ہے، گویا اس کے اندر اس اٹھنے والی محبت کے تحت جو جذبہ تھا اس کا مداوا اور علاج ہو گیا۔ ایک آدمی ہے اس نے بارانی علاقے میں اپنی زمین میں دو من گندم کاشت کر لی۔ دو من گندم تقریباً بیس کنال زمین میں کاشت ہوتی ہے۔ تخم والی گندم ملتی ہے اٹھارہ سو روپے من، دو ہزار روپے من۔ چھتیس سو روپے کی اس نے گندم کاشت کی، اس کے علاوہ بھی خرچہ ہوا۔ اب اگر بارش ہوگی تو یہ اُگ جائے گی فصل ہوگی، بارش نہیں ہوگی یہ نہیں اٹھے گی اور جو پانچ چھ ہزار روپے خرچہ کیا تھا وہ بھی ضائع ہو جائے گا۔ اب اس آدمی کو بھی پانی کی چاہت اور طلب ہے، اس کو بھی چاہت ہو رہی ہے، طلب ہو رہی ہے۔ لیکن اس کی اور پہلے آدمی کی چاہت میں فرق ہے، اس کو نہ تو اندر دل میں محسوس ہو رہا ہے پیاس کی طرح اور نہ اس کو پیاسے کی طرح پانی کی کشش ہو رہی ہے۔ لیکن عقلی طور پر اسے زیادہ اہمیت کے ساتھ محسوس کر رہا ہے کہ پانی کی ضرورت ہے ورنہ فصل نہیں ہوگی، ایک تو کیا ہوا خرچہ پانچ چھ ہزار کا ضائع ہوگا اور دوسرا یہ کہ فصل نہیں ہوگی تو میرے بال بچے کیا کھائیں گے محتاج ہونا پڑے گا، بھیک مانگنی

پڑے گی۔ تو اس آدمی کو ایک درجے میں پہلے آدمی سے زیادہ پانی کی طلب اور چاہت ہے لیکن اس کو محسوس نہیں کررہا ہے یہ عقلی محبت ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جو شدت محبت مؤمنین کا بیان کیا گیا ہے ''والذین امنو ا اشد حبا اِللّٰہ'' (مؤمنین بہت شدت سے، بہت زوردار طریقے سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال سے محبت کرنے والے ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ قرآن تو آپؐ پر نازل ہوا ہے آپؐ مجھ سے فرماتے ہیں کہ سنائیں۔ فرمایا ہاں! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سنائیں ہمیں۔ کہا میں نے پڑھنا شروع کیا ''و جئنا بک علٰی ھولآء شھید'' (وہ کیسا وقت ہوگا جس وقت کہ آپ ﷺ کی اُمت کو ساری امتوں پر گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا اور پھر اس گواہی کو پکا کرنے کے لئے آپ ﷺ کو سب پر گواہ لایا جائے گا اور یہاں تک کہ اس امت کی گواہی پر اور آپ ﷺ کی گواہی پر ساری اقوامِ عالم کا محشر کے میدان میں فیصلہ ہوجائے گا) کہتے ہیں کہ یہ آیتیں جب پڑھیں، حضور ﷺ کے چشم مبارک سے آنسو جاری ہوئے کیونکہ محبوب کا کلام، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ذوالجلال کا کلام، اس کا تذکرہ، حضور ﷺ کو کیا گیا خطاب، اس لئے اتنی کشش تھی۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے تذکرے بھی آئے ہوئے ہیں۔ ایک صحابیؓ نے کہا کہ یارسول ﷺ رات جب میں تلاوت کررہا تھا، اس وقت میں نے ایک خاص کیفیت محسوس کی، اس وقت ایک تو بادلوں کا ابر آیا اور ایک یہ کہ میرا گھوڑا اُچھلنے لگا اور ہنہنانے لگا اور مجھے خطرہ ہوا کہ میرا چھوٹا بیٹا ہاشم جو پاس پڑا تھا کہیں اچھلنے کودنے سے گھوڑے کے قدموں کے نیچے نہ آجائے، اس لئے میں نے تلاوت موقوف کی، پھر جب میں پڑھنے لگا پھر وہ جوش کی کیفیت اندر طاری ہوئی۔ اپنے آپ پر محسوس ہوئی، گھوڑے پر وہ کیفیت طاری ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو پڑھنا جاری رکھتا تو یہ مدینہ منورہ کی پہاڑ اور وادیاں یہ بھی تیرے ساتھ پڑھتیں۔ کیونکہ جس کیفیت کو آپ محسوس کررہے تھے اور اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کو پڑھ رہے تھے تو یہ گھوڑا بھی اصل میں اس وجد کو محسوس کررہا تھا اس لئے وہ بھی اُچھلنے لگا۔ حضرت داؤدؑ جب زبور پڑھتے تھے تو پہاڑوں پر اور پرندوں پر بھی کیفیت مستی کی اور وجد کی طاری ہوتی تھی۔ پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ پڑھنے لگتے تھے۔ تو یہ طبعی کشش ہے جو کہ ''اشد حبا اِللّٰہ'' کا طبعی پہلو ہے۔ نفسیات کی رو سے میں نے اس کو بیان کیا۔ اسی طرح اور بہت سے

واقعات ہیں۔ایک دفعہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے اور تلاوت کر رہے تھے۔انہوں نے پڑھا ''فاذا نقر فی الناقور ط فذالک یوم عسیر ط علی الکافرین غیر یسیر '' (جب وہ صور پھونکی جائے گی) تو اس میں قیامت کے برپا ہونے کے حالات کا تذکرہ ہے۔اس کو بار بار پڑھنے لگے اور ان پر حال اور کیفیت اور وجد طاری ہوا۔وہ بار بار پڑھ رہے تھے، پڑھ رہے تھے۔خالی کمرہ تھا یہاں تک کہ ایک کونے سے آواز آئی کہ تو اس کو پڑھنا بند کر، کب تک تو اس کو پڑھتا رہے گا؟ تیرے پڑھنے سے تین جنوں کی تو موت ہوگئی۔ایسی کیفیت جنوں پر آئی کہ اس کو برداشت نہ کر سکے اور اُن کی جان نکل گئی۔سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کے تعلق کی کیفیتیں ہیں، شانیں ہیں، جو اس راستے پر محنت کرنے والوں، پرہیز کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہیں، ان پر طاری ہوتی ہیں۔دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا ہے، اس کو عقلی محبت کہتے ہیں اور اطاعت کہتے ہیں۔اطاعت میں خوب کوشش کرنا کہ جو جو احکامات دیئے گئے ہیں، جیسے جیسے دیئے گئے ہیں۔خوب کوشش کے ساتھ بجالانا۔فرض، واجب، یہاں تک کہ مستحبات کو بجالانا اور خوب کوشش کرنا کہ خطا نہ ہو جائے تو یہ محبت کا عقلی پہلو ہے یعنی اطاعت کرنا۔حضور ﷺ کے ساتھ محبت کے بارے میں آیا ہے ''قل ان کنتم تحبون اللہ فا تبعونی یحببکم اللہ '' (اے پیغمبر ﷺ آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو، تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کررہے ہیں تو اس کا ثبوت یہ دینا پڑے گا کہ تم میرا اتباع کرو) یعنی حضور ﷺ کا اتباع کیا جائے، حضور ﷺ کی بات کو مانا جائے، تو یہ گویا ثبوت ہے محبت کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ذوالجلال سے اور محبت کا حضور ﷺ کی ذات باکمال سے۔کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کررہے ہو تو اللہ پاک کی اطاعت کروگے، حضور ﷺ سے محبت کروگے تو آپ ﷺ کے طریقوں پر چلوگے۔ہندوستان میں مرزا بیدل فارسی کا ایک شاعر گزرا ہے۔زبردست فارسی کا کلام ہے اس کا، زبردست نعتیں ہیں۔یہ کلام ایران پہنچا تو ایران کے فارسی والوں نے بہت قدردانی کی۔ایک آدمی نے کہا کہ یہ تو بہت اللہ کا ولی ہے اور بہت بڑا عاشقِ رسول ﷺ ہے۔ان کو بڑا مزہ آیا ان کے اشعار سے، ان کے کلام سے، ان کی نعتوں سے کہ انہوں نے کہا کہ میں ہندوستان جاکر مرزا بیدل سے ضرور ملاقات کروں گا۔آگئے ملاقات کرنے کے لئے۔انہوں نے پوچھا کہ مرزا بیدل ''کُجا است'' مرزا بیدل کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ'' بحمام رفتہ است ' حمام

پر یعنی نائی کے دُکان پر گیا ہوا ہے۔ان کو اتنی تڑپ اور کشش تھی کہ میں وہاں جا کر فوراً ملوں۔ وہاں جب گئے تو پوچھا کہ مرزا بیدل کون سے ہیں؟ تو انہوں نے دیکھا کہ بیٹھے ہیں اور داڑھی ترشوا رہے ہیں، کتروا رہے ہیں۔ان کو بڑی حیرت ہوئی انہوں نے کہا''اوھو! آغا ریش می تراشی ؟'' (داڑھی کو کتروا رہا ہے؟)۔وہ بڑا سمجھدار اور دانشور آدمی تھا۔اس نے فوراً کہا '' ریش می تراشم ولی دلی کسی رانمی خراشم۔'' (داڑھی تو کتروا رہا ہوں لیکن کسی کا دل زخمی نہیں کرتا) اس نے کہا''آغا دلِ رسول اللہ ﷺ را می خراشی '' (آغا تو تو حضور ﷺ کے دل کو چھیل رہا ہے،ان کے دل کو دکھا رہا ہے۔مرزا چونکہ تھا واقعی عاشقِ رسول ﷺ۔لیکن کچھ کوتاہی،غلط فہمی،گرد و پیش کے ماحول کے اثرات کی وجہ سے اس طرح کر رہا تھا۔تو وہ فوراً وہاں پر توبہ تائب ہوا اور یہ شعر کہا

؎ جزاك اللّٰه چشم باز كردی

مرا با جان جاں هم راز كردی

ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے تو نے میرے آنکھیں کھول دیں اور مجھے جان جانان یعنی محبوبوں کے محبوب حضور ﷺ سے ہم راز کر دیا۔

وہیں سے توبہ تائب ہو کر اٹھے۔تو یہ محبت ہے عقلی۔ایک آدمی ہو جس کے دو بیٹے ہوں۔ایک بیٹا پاس کھڑا ہے کہتا ہے ابا جان آپ مجھے بہت پسند ہیں اور واہ واہ ابا جان! آپ کی کیا خوبصورت شکل صورت ہے،کیا گھنے آپ کے بال ہیں،اور کیا خوبصورت آپ کی آنکھیں ہیں،اور کتنے سرخ آپ کے ہونٹ ہیں، کتنے سفید آپ کے رخسار ہیں،اور میں تو آپ مر رہا ہوں اور آپ تو مجھے بہت ہی پسند ہیں۔ باپ کہتا ہے کہ بیٹا مجھے پانی لا کر دے۔ بیٹا پانی تو لا کر نہ دے بلکہ پھر وہی تعریف شروع کر دے کہ آپ مجھے پسند ہیں،رخسار بھی پسند ہیں اور ہونٹ بھی پسند ہیں۔ باپ پھر کہتا ہے کہ مجھے پانی لا کر دو۔وہ پھر وہی گیت گانا شروع کر دے اور دوسرا بیٹا پہلے ہی حکم پر جا کر پانی لے آئے تو آپ بتائیں باپ کو کس کے ساتھ حقیقی محبت محسوس ہو گی اور بیٹوں میں سے باپ کو کس کی محبت مفید ہے؟

اس لئے کہتے ہیں کہ اصلی محبت تو محبتِ عقلی ہے یعنی اتباع کرنا،بات ماننا۔اور محبت عقلی اور محبت طبعی دونوں نصیب ہو جائیں تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ محبت عقلی تو لازمی ہے اور اختیاری

ہے۔ طبعی محبت عطائی ہے۔ عطا ہوتی ہے تو ہوتی ہے ورنہ نہیں ہوتی۔ کاملین کو دونوں محبتیں حاصل ہوتی ہیں۔ محبت عقلی بھی حاصل ہوتی ہے اور محبت طبعی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ، رسول ﷺ کا نام سن کر روتے دھوتے ہیں اور ان کی باتیں بھی مانتے ہیں اور اتباع کرنے میں تو پوری کوشش کرنے والے ہوتے ہیں۔ تو ” ولذین امنوا اشد حبا اللّٰہ “ (وہ بہت شدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والے ہیں) اور محبت الٰہی کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اللہ کا کلام سننے میں مزہ آئے، اللہ کا ذکر کرنے میں مزہ آئے، اللہ کا نام لینے میں مزہ آئے، اللہ کی یاد میں مزہ آئے، یہ طبعی پہلو ہے۔ اور اللہ پاک کی احکامات کو مانے، اس میں کوشش کرے، یہ اس کا عقلی پہلو ہے۔ تو ایسا نہ ہو کہ نعت تو ہم نے پڑھ لی اور رونا دوھنا کر لیا لیکن احکامات ماننے میں کند چھری کی طرح ہو جو کہ کام نہیں کرتی۔ اعمال سے اور اتباع سے اس کا آدمی ثبوت پیش کرے۔ اس لئے فرمایا گیا ”قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فا تبعونی یحببکم اللّٰہ “ (اے پیغمبر ﷺ آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو، تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کر رہے ہیں تو اس کا ثبوت یہ دینا پڑے گا کہ تم میرا اتباع کرو) ثبوت کیا ہے کہ اللہ پاک کی مانو اور اللہ پاک کی ماننے کا طریقہ کیا ہے، وہ حضور ﷺ کا طریقہ ہے، آپ ﷺ کا اتباع ہے، آپ ﷺ کے طریقوں پر چلنا ہے۔ ” من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ “ (جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے اطاعت کی اللہ کی) اطاعتِ رسول اطاعتِ الٰہی ہے۔ دوسری جگہ پر دونوں کو ملا کر بیان فرمایا گیا ہے ”اطیع اللّٰہ و اطیع الرسول “ (کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی) اس طرح اس آیت میں علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے کہ ” من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ “ (جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے اطاعت کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی) تو اطاعت رسول جو ہے وہ اطاعت الٰہی ہے۔ تو اس سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ سارے احکامات قرآن پاک نہیں بیان کرے گا، احکامات کا ایک حصہ وہ ہو گا جو اطاعتِ رسول ﷺ کے لئے چھوڑا جائے گا، اس کو آپ ﷺ بیان کریں گے۔ اس لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ ” اقیمو الصلوٰۃ و اتوز کواۃ “ (نماز قائم کرو اور زکواۃ ادا کرو)۔ باقی کیسے پڑھو، کس ترتیب

سے پڑھو، کتنی رکعتیں پڑھو، یہ بات ثابت نہ ہوئی۔ اس لئے اُن کے اوقات کو حدیث میں حضور ﷺ نے بیان فرمایا اور جبرئیلؑ آئے، انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے رکوع، سجدہ کیا اور آپ ﷺ نے احادیث کی شکل میں اس کو بیان کر کے امت کے پاس اس کا record چھوڑا، اور عملی طور پر صحابہ کرامؓ کے سامنے کر کے ان کی تفصیلات بتائیں۔ کہ جبرئیلؑ ایک دن آئے اور انہوں نے ظہر کی نماز کا پہلا وقت بتایا پھر آخری وقت بتایا۔ تو اوقات کی تفصیل جبرئیلؑ نے آ کر بتائی کہ یہ سب سے پہلا وقت ہے اور یہ سب سے آخری وقت ہے تا کہ انسانوں پر سختی نہ رہے اور کافی وقت کی گنجائش ہو۔ کیونکہ کسی نے اگر سفر پر جانا ہے، کسی کی نوکری ہے، ملازمت ہے، پوری گنجائش ان کو دی ہے کہ صبح کی نماز کا وقت آج کل ۵:۴۵ پر شروع ہوتا ہے اور ۷:۱۷ تک ہوتا ہے۔ اب پڑھنے کے لئے افضل وقت کیا ہوگا، افضل وقت ایسا ہو کہ جب خوب روشنی پھیل جائے تا کہ بوڑھے آدمیوں کو، کمزور نظر والے آدمیوں کو آتے ہوئے تکلیف نہ ہو، راستہ ان کو نظر آئے، راستے پر چلتے ہوئے روشنی ہو۔ اتنی روشنی ہو کہ سانپ، بچھو نظر آ رہا ہو۔ پرانے زمانے میں شیر، بھیڑیا وغیرہ ہوتے تھے، جب روشنی پھیل جاتی تھی تو وہ بھی راستوں کو چھوڑ کر، کھلی جگہوں کو چھوڑ کر، پناہ کی جگہوں پر چلے جاتے تھے۔ تو یہ ساری تفصیلات ہیں جو حضور ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ پھر اُمت کے ذمے اپنے وقت میں پیش آنے والے حالات کے مطابق غور و فکر کی مزید گنجائش چھوڑی ہے۔ یہ غور و فکر فقہ کے چار اماموں نے کیا ہے۔

و انزلنا الیک الذکر لتبین لناس ما نزل الیھم و لعلھم یتفکرون. (نحل:۴۴)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے آپؐ پر بھی یہ قرآن اُتارا ہے تا کہ جو ہدایت (آپؐ کے واسطے سے) لوگوں کے پاس بھیجی گئی ہے وہ ہدایت آپؐ اُن کو واضح کر کے سمجھا دیں اور تا کہ وہ ان میں غور و فکر کیا کریں۔ (معارف القرآن)

اللہ تبارک تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

☆☆☆☆☆☆☆

شفا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

(ڈاکٹر محمد سفیر صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر، میڈسن، ٹاؤن ٹیچنگ ہسپتال، پشاور)

جون ۲۰۰۸ء کی بات ہے کہ میری اہلیہ نے مجھے بتایا کہ اس کے والد صاحب یعنی میرے سسر صاحب بہت بیمار ہیں، آپ اُن کا پوچھنے چلے جائیں۔ اُن دنوں میرے سسرال والے مجھ سے کسی بات پر خفا بھی تھے۔ میں نے سوچا کہ خدمت کی نیت سے جاتا ہوں امید ہے اُن کی ناراضگی بھی دور ہو جائے گی۔ **الحمد لِلّٰہ!** ایسا ہی ہوا۔ کہ جب میں عیادت اور خدمت کی نیت سے گیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے اُن کا مکمل طبی معائنہ کیا اور جو ٹیسٹ انہوں نے کروائے ہوئے تھے اُن کو دیکھا تو یہ بات سامنے آئی کہ سسر صاحب کو خون کی کافی کمی ہے۔ اب خون کی کمی کس وجہ سے ہے اس کی وجوہات معلوم کرنی ہیں۔ وہ تو اس بات پر مطمئن تھے کہ بس ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ خون کی کمی ہے اس دوائی سے ٹھیک ہو جائے گی لیکن مجھے تسلی نہ ہوئی۔ میں نے کہا کہ بیماری کی پوری تشخیص ہونی چاہیئے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بندہ پر خاص فضل و کرم اور احسان ہے، سلسلے کی برکت اور اپنے شیخ و مربی کی جوتیوں کی خاک کی برکت ہے کہ خون کی بیماریوں کی تشخیص خطا نہیں ہوتی کیونکہ یہ میرا خاص شعبہ ہے۔ بہرحال میں منت سماجت کر کے اُن کو اپنے ساتھ لے آیا تاکہ خود تشخیص کر کے مناسب علاج شروع کر دوں۔ منت سماجت اس لئے کی کہ میرے سسر صاحب بہت باہمت انسان ہیں اور خون کی کمی تو اُن کے خیال میں کوئی بیماری ہی نہیں ہے۔ بقول اُن کے علاج ہو رہا ہے، ٹھیک ہو جاؤں گا۔ خون میں ہیموگلوبن چھ گرام فی ۱۰۰ ملی لیٹر خون تک آیا ہوا تھا جبکہ نارمل چودہ سے سولہ گرام ہے اور پھر بھی ڈیوٹی پر جا رہے تھے اور گھر کے سارے کام کاج کر رہے تھے۔

پشاور آ کر میں نے ایک بار پھر پورے اطمینان کے ساتھ اُن کا مکمل طبی معائنہ کیا جس سے یہ بات سامنے آئی کہ اُن کے خون کی کمی کی وجہ جگر کی بیماری Cirrhosis ہے۔ بیماری کی وجہ سے جہاں معدہ اور خوراک کی نالی ملی ہیں وہاں خون کی نالیوں میں دباؤ بڑھا ہوا ہے اور وہاں سے خون رس رس کر معدے کے راستے بڑی آنت میں پہنچ کر پاخانے کے ساتھ نکل کر ضائع ہو رہا ہے۔ ٹیسٹ کروائے تو یہی بات نکلی۔ اینڈوسکوپی کے ذریعے خون کی نالیاں بند کی اور دو بوتل خون چڑھایا۔ موجودہ ڈاکٹری نقطہ نظر سے اس جگر کی بیماری کو تیسرے درجے کا سیروسیز (Decompensated stage C cirrhosis) کہتے ہیں

۔اس درجے کی بیماری میں ڈاکٹری علوم کے مطابق بیمار زیادہ سے زیادہ چھ مہینے زندہ رہتا ہے اور وہ بھی کئی پیچیدگیوں (Complications) کے ساتھ۔مگر ہوا اس کے برعکس۔

اول تو یہ مشکل تھی کہ مریض کو یہ بات کس طرح بتائی جائے کیونکہ وہ ۲۵ سال سے وہ ملازمت کر رہے ہیں اور اب طبی لحاظ سے اُس کے لئے فِٹ نہیں رہے۔مرض کے متعلق بتانا اور پھر ریٹائرمنٹ لے کر اُن کو گھر بٹھانا ایک مشکل فیصلہ تھا۔مشکل اس لئے کہ مریض کو یہ بتانا کہ آپ کو یہ مرض ہے اور اتنی مزید زندگی کی مہلت ہے کس قدر ذہنی کوفت کا ذریعہ ہے، خود مریض کے لئے بھی اور اُس کے گھر والوں کے لئے بھی۔ میں نے اپنے شیخ ومربی سے مشورہ کیا کہ یہ حالات ہیں کیا کیا جائے۔انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ اُن کو یہ بات سمجھائیں کہ ریٹائرمنٹ لے لیں یہ اُن کے لئے بہتر ہوگا۔میرے سسر صاحب نے کہا کہ دیکھو جتنی میری زندگی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے، جو میرے نصیب کا رزق ہے وہ میں کھا کر مروں گا۔مرنا تو ویسے بھی ایک دن ہے میں اس بات سے قطعاً پریشان نہیں ہوں۔آپ مجھے مرض بتائیں، علاج بتائیں، پرہیز بتائیں اس کی میں پوری پابندی کروں گا۔اس کے علاوہ اگر ڈاکٹر فدا صاحب دامت برکاتہٗ کوئی وظیفہ پڑھنے کو بتائیں تو اس کی بھی پابندی کروں گا۔شفاء اللہ دینے والا ہے اور مجھے تقدیر پر بھروسہ ہے۔باقی جہاں تک ریٹائرمنٹ کا تعلق ہے تو وہ میں نہیں لیتا۔کیونکہ پانچ سال میں میری نوکری کے تیس سال پورے ہو جائیں تو پورے فوائد کے ساتھ ریٹائرمنٹ لے لوں گا۔میں نے دل میں سوچا کہ ہم تو چھ مہینے میں اُن کو قبر میں اُتارنے کی تیاری کر رہے ہیں اور یہ پانچ سال کا منصوبہ بنائے بیٹھے ہیں، ان کو کون سمجھائے گا۔اللہ ہی سمجھائے۔

میں نے ایک بار پھر اپنے حضرت سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ چلیں نہیں مانتے تو ان کی مرضی ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی ہے۔حضرت نے فرمایا کہ اُن سے کہیں کہ روزانہ دو نفل اس طرح پڑھیں کہ دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کریں۔

رَبِّ اغْفِرْلِی وَارْحَمْنِی وَاھْدِنِی وَارْزُقْنِی وَعَافِنِی وَاجْبُرْنِی

ترجمہ: یا اللہ میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت دے، مجھے روزی دے، مجھے عافیت دے اور میں ٹوٹ چکا مجھے جوڑ دے۔

اس کی پابندی میرے سسر نے شروع کر دی۔اس کے بعد پرہیز اور دوائی مکمل بند کر کے معمول کی زندگی شروع کر دی۔

مجھے روزانہ یہ خیال ہوتا کہ آج یا کل اُن کی طبیعت خراب ہونے کی خبر آئے گی کیونکہ میرے سامنے تو اپنی ڈاکٹری کتاب کی معلومات تھیں۔ ٹھیک چھ مہینے بعد یعنی دسمبر ۲۰۰۸ء میں میرے سالے کا فون آیا کہ والد صاحب نے خون کی اُلٹیاں کی ہیں اور مکمل بے ہوش ہیں اور ہم نے امید ختم کر دی ہے آپ آجائیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ اُن کو ہسپتال پہنچائیں جو علاج ہو سکتا ہوگا ڈاکٹر کریں گے اور میں آتا ہوں۔

میں نے حضرت کو فون کر کے حالات کی اطلاع دی تو انہوں نے فرمایا کہ بظاہر تو حالات یہی ہیں کہ اُن کے بچنے کی امید نہیں ہے اس لئے آپ پوری تیاری کر کے جائیں ہو سکتا ہے وہاں سے گاؤں جانا پڑے۔ میں اپنے بال بچوں لے کر راولپنڈی روانہ ہو گیا۔ سارا راستہ میری اہلیہ روتی رہیں کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ خیر ہم راولپنڈی پہنچے۔ سسر صاحب سی ایم ایچ میں داخل تھے۔ اُن کو خون کی چار بوتلیں لگ چکی تھیں اور اینڈوسکوپی کے ذریعے خون کی نالیاں بند کر دی گئی تھیں۔ ایک دن بعد ہوش میں آگئے، تین دن میں وہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دوبارہ زندگی دے دی اور کچھ دنوں کے بعد صحت یاب ہو کر گھر آگئے۔ میں نے پشاور آکر حضرت کو حالات سنائے تو اُن کو بھی حیرت ہوئی۔

جولائی ۲۰۰۹ء میں یعنی ایک سال بعد میرے سسر صاحب پشاور آئے۔ میں نے اُن کی ملاقات حضرت سے کروائی۔ میرے سسر نے حضرت صاحب سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب حج کا داخلہ کر رہا ہوں آپ دعا فرمائیں۔ حضرت صاحب نے اُن کو سمجھایا کہ آپ کی بیماری کی نوعیت ایسی ہے کہ آپ کے لئے حج پر جانا مناسب نہیں ہے۔ اُن کی تسلی کے لئے مزید فرمایا کہ وہاں تو ٹھیک ٹھاک آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور آپ تو بیمار بھی زیادہ ہیں۔ سسر صاحب نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کہ اگر موت وہاں لکھی ہے تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔ میرے ساتھ میری گھر والی جائے گی وہ مجھے سنبھال لے گی۔ میں نے بھی بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے اور داخلہ کر دیا۔

مجھے تو پورا یقین تھا کہ ان کی حج سے واپسی ناممکن ہے۔ جگر کی بیماری، دو دفعہ اینڈوسکوپی، پیٹ میں پانی اور اس کے علاوہ اب تو ان کو شوگر اور دل کی بیماری بھی ہے۔ اللہ کی شان کی ساری جدید ڈاکٹری مکمل طور پر ناکام ہوئی۔ ان ساری بیماریوں کے ہوتے ہوئے سسر صاحب حج پر گئے، بغیر کسی تکلیف کے پورا حج کا دورانیہ گزارا، کوئی پرہیز نہیں کیا جو سامنے آیا کھایا پیا، روزانہ بلاناغہ تین چار طواف، متعدد عمرے کئے۔ نہ سر کا درد نہ کوئی اور تکلیف اور نہ سفر کی تھکاوٹ۔ خود مریض حیران، گھر والے حیران، خاندان کے لوگ حیران یہاں تک

کہ خود حضرت بھی حیران۔ بقول میرے حضرت کے ان کے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال پر بھروسے نے تو ہماری ڈاکٹری اور پیری کو فیل کر دیا۔ یہ بات حضرت نے جمعہ کی تقریر میں حج کی ترغیب دیتے ہوئے میرے سسر کا قصہ سنا کر فرمائی تھی۔

چند ماہ پہلے مئی ۲۰۱۱ء میں، میں اُن سے ملنے راولپنڈی گیا۔ انہوں نے اپنے خون اور جگر کے ٹیسٹ کی تازہ رپورٹ دکھائی کہ آپ دیکھیں اب کیا صورتِ حال ہے۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ نوے فیصد سے زیادہ جگر کی بیماری ختم تھی۔

الحمد لِلّٰہ! آج تین سال ہو چکے ہیں میرے سسر زندہ سلامت ہیں۔ اللہ اُن کو مزید صحت والی زندگی نصیب فرمائے۔ اٰمین! اپنے معمول کی زندگی گزار رہے ہیں گویا وہ بیمار ہی نہیں ہیں۔ جدید طبی سائنس اور علم اس کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ اس علم کے مطابق تو ایسے بیمار کی زیادہ سے زیادہ زندگی چھ ماہ ہے اور ساتھ میں شوگر، بلڈ پریشر اور دل کی بیماریاں بھی۔ جبکہ میرے سسر تین سال سے زندہ ہیں، معمول کی زندگی گزار رہے ہیں اور نوے فیصد بیماری بھی ختم ہو گئی ہے۔

اس کیس میں مندرجہ ذیل باتیں ذہن میں آئیں:

۱۔ اللہ کی ذات پر بھروسہ کہ صحت اللہ دیتا ہے ایک بہت بڑی قوت ہے۔ بوعلی سینا نے قوتِ مدبرہ کے تحت اس پر بحث کی ہے۔

۲۔ نا اُمیدی نہ اختیار کرنا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات سے پُر امید ہونا۔ یہ چیز ڈیپریشن (اضمحلال) سے محفوظ رکھتی ہے جبکہ ڈیپریشن دوائیوں کے اثر کو زائل کرتا ہے اور علاج کو ناکامیاب کرتا ہے اور خود ساری بیماریوں کی جڑ ہے۔

۳۔ بیماری کو اپنے اوپر سوار نہ کرنا اور اُس کو لے کر نہ بیٹھ جانا۔ بعض لوگ اس وجہ سے دُگنی بیماری لے لیتے ہیں۔

۴۔ حوصلہ کے ساتھ بیماری کا مقابلہ کرنا۔

یہ باتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے سسر صاحب کو عطا کی ہوئی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

چترال اجتماع

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ)

اس سال سلسلے کے سالانہ اجتماع کا مشورہ ہوا تو سلسلے کے ساتھی مرتضیٰ صاحب نے مشورہ دیا کہ اجتماع چترال کے علاقہ بمبوریت میں رکھا جائے۔ ایک مسجد، مسجد کے ساتھ دو سکول اور ایک ہوٹل کا حال ہمارے زیرِ استعمال ہوں گے۔ مقامی ذمہ دار لوگ ساتھ دیں گے۔ موسم بہت اچھا ہے۔ مزید یہ کہ اس جگہ کیلاش قبیلہ آباد ہے۔ جو غیر مسلم ہیں لیکن پُر امن اور عاجز لوگ ہیں۔ اُن کے سامنے مثبت دینی ماحول آجائے تو اُن کے اسلام میں داخلے کا راستہ کُھل سکتا ہے۔ مشورہ منظور ہو گیا اور ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ ہفتہ اتوار پیر منگل کی تاریخیں مقرر ہو گئیں۔ بمبوریت چترال کی بڑی سڑک سے اٹھارہ کلو میٹر ہٹ کر ہے۔ راستہ اتنا مشکل ہے کہ یہ اٹھارہ کلو میٹر گاڑی میں تین گھنٹوں میں طے ہوتے ہیں۔

ایک گاڑی پانچ آدمیوں اور لنگر کا سامان لے کر جمعہ کو روانہ ہو گئی۔ جبکہ ۱۲ ہائی ایس گاڑیوں، ایک لینڈ کروزر اور ایک موٹر پر مشتمل قافلہ ہفتہ کے روز روانہ ہوئے۔ چھ گاڑیاں تو لواری ٹاپ کے راستے ہو کر گئیں۔ جبکہ آٹھ گاڑیاں کرنل خالد صاحب نے سرنگ سے ہی گزار دیں۔ سترہ گھنٹے سفر کے بعد رات سوا بارہ بجے جگہ پر پہنچے۔ ساتھیوں نے سارے بندوبست کئے ہوئے تھے، کھانا کھا کر سو گئے۔ صبح کی نماز پڑھی لیکن اتنی تھکاوٹ تھی کہ بندہ بات کرتے ہوئے تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ اس لئے ساتھی سو گئے۔ جاگنے پر ناشتہ ہوا، کچھ طبیعتیں بحال ہوئیں۔

بروز ہفتہ مغرب تا عشاء بیان ڈاکٹر طارق صاحب کا ہوا جس میں مقامی ساتھی شامل ہوئے۔ بروز اتوار کا شروع کیا۔ ظہر سے پہلے بیان ہوا۔ ظہر کے بعد کھانا کھا کر ساتھی سو گئے۔ عصر تا مغرب احیاء العلوم سے شریکِ مجلس ایک مفتی صاحب نے تعلیم کی۔ مغرب کے بعد تفصیلی بیان ہوا جس میں مقامی اور مسافر ساتھی سب جمع ہو کر بیٹھے۔ بندہ کو دورانِ بیان یہ محسوس ہوا کہ مجمع طلب اور اخذ کے حال کے ساتھ بیٹھا ہے۔ بندہ کی طبیعت بحال نہیں ہو رہی تھی، کمزوری کے اثرات کچھ نہ کچھ باقی تھے۔ ڈاکٹر صاحبان نے بتایا کہ جب آدمی زیادہ بلندی پر جاتا ہے تو اسے آکسیجن کی کمی کا سامنا ہوتا ہے۔

جس کے لئے خون کے سرخ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اُن کو حاصل کرنے کے لئے بدن کو کم از کم ایک ہفتہ لگتا ہے۔ خیر بزرگوں نے بتایا ہے کہ دین کا کام کرتے کرتے مرنا ہے اور مرتے مرتے کرنا ہے۔ اپنے کو گھسیٹتے کام کرتے رہے۔ آخری رات اللہ کے احسان سے کچھ طبیعت بحال ہوئی اور چشتی ترنم اور سوز و گداز کی توفیق ہوئی۔ اگر یہ سب کچھ قبول ہوگیا تو وارے نیارے، نہ ہوا تو مال جان وقت سب چیزیں ضائع ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ اس محرومی سے محفوظ فرمائے۔

کیلاش قبیلے کے متعلق یہ مشہور ہے کہ سکندرِ اعظم کے ساتھ آئے لوگوں میں سے یہ لوگ یہاں آباد ہوگئے۔ اُن کے حال سے اندازہ ہوا کہ ان کے عقائد و اعمال آتش پرست مجوسیوں، بدھ مت اور ہندو مت والوں سے ملتے ہیں۔ چند بڑے بوڑھے ہی ان عقائد اور معلومات کو اپنے چھوٹون کو بتاتے ہیں اور سب اس پر عمل کرتے ہیں۔ کوئی کتاب، کوئی عالم وغیرہ نہیں جو ان عقائد اور اعمال کو علمی انداز میں آگے چلا رہا ہو۔ مقامی ساتھی اُن کی آبادی میں لے گئے۔ عام لوگ تو لباس، بدن کے لحاظ سے بہت غلیظ ہوتے ہیں، گھروں کا بھی یہی حال ہے۔ مالدار لوگ کچھ صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ اُن کے اصل مذہب میں مُردوں کو دفن نہیں جاتا بلکہ کھلے لکڑی کے تابوت میں آبادی کے پاس ایک بیابان میں رکھ دیا جاتا ہے جہاں پرندے کتے وغیرہ گوشت نوچ لیتے ہیں اور ہڈیاں وہاں رہ جاتی ہیں۔ جن عورتوں کے حیض کے ایام ہوں یا بچے کی پیدائش یعنی زچگی کے دن ہوں اُن کو ناپاک اور منحوس سمجھتے ہیں۔ اور سب کو ایک مکان میں جمع کرتے ہیں۔ اس مکان کو بِشالینی کہتے ہیں۔ بچے کی پیدائش کے دوران جو عورت مرجائے اسے اور پیدا ہونے والے بچے کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اس بچے کو بھی پھینک دیتے ہیں اور عورت کو بھی۔ عموماً ایسے بچوں کو مسلمان اُٹھا کر پالتے ہیں اور عورت کو بھی تعفن اور بدبو سے بچنے کے لئے مسلمان دفن کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں بدبو، تعفن اور بیماریوں کے پھیلنے کے خطرات کی وجہ سے ان لوگوں نے بھی مسلمانوں کی دیکھا دیکھی دفن کا طریقہ شروع کیا ہے۔ ان کی مذہبی اور ثقافتی دو جگہیں دیکھیں، ایک بڑا ہال جس میں دنبوں کے لکڑی کے بنے سر تھے۔ اس میں یہ قربانی دیتے ہیں۔ کوئی آدمی مرجائے تو اس ہال کے درمیان اس کی لاش رکھ کر تین دن اس کے گرد ناچتے ہیں اور سوا ایک

سو بیس بکرے ذبح کرتے ہیں اور دعوتیں چلتی ہیں۔ یہ چیز اُن کے لئے کافی معاشی بوجھ ہوتی ہے لیکن رسم ورواج کی پابندی بہر حال ہر معاشرے کی بہت بڑی مصیبت ہے۔ دو میدان دکھائے جن کے گرد سٹیڈیم کی طرح سیڑھی نما جگہیں بیٹھنے کے لئے تھیں۔ راہبر نے بتایا کہ مئی اور دسمبر میں ان کا ایک میلہ ہوتا ہے جس میں عورتیں ناچتی ہیں اور مرد سیڑھیوں پر بیٹھ کر تماشا کرتے ہیں۔ اسی ناچ میں شادی کے لئے جوڑے منتخب ہوتے ہیں۔ اگر شادی شدہ عورت کسی دوسرے مرد کو پسند آجائے تو وہ پہلے خاوند سے بات کرتا ہے۔ پہلے خاوند کا رشتہ اگر ایک لاکھ پر ہوا تھا تو وہ دو لاکھ کا مطالبہ کر کے عورت دے دیتا ہے۔ اس طریقے سے جس عورت کے زیادہ تبادلے ہوئے ہوں وہ اپنے کو بہت نمایاں سمجھتی ہے۔

راہبر مختلف جگہوں سے پھرا کر ایک آدمی کے گھر لے گیا۔ یہ کافی مالدار آدمی تھا۔ گذشتہ جرنیل پرویز مشرف کی تصویر اس آدمی کے ساتھ بنی ہوئی تھی اور گھر میں لٹک رہی تھی۔ اُس کی بیوی نے آکر ایک کشیدہ کاری کیا ہوا کپڑا ہار کی شکل میں بندہ کے گلے میں ڈال دیا اور دعا کی درخواست کی۔ بندہ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کر لی۔ اسی طرح دوسرے چوہدری کے گھر ہوا۔ وہاں پر بھی دعا کر لی۔ کیلاش برادری نے ہماری طرف سے بیان سننے اور کھانے کی دعوت قبول کی۔ عصر تا مغرب اُن کے ایک مخلوط اجتماع میں بیان ہوا اور مغرب سے پہلے انہوں نے کھانا کھایا۔

مغربی این جی اوز اِن لوگوں میں کام کر رہی ہیں اُن کا موقف ہے کہ اس قدیم ثقافت کو بچایا جائے۔ جس کا تھوڑا سا تذکرہ آپ نے اوپر ملاحظہ کیا۔ ہمارے نام نہاد دانشور بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اور اس ثقافت کو ٹورازم کی بنیاد بنا کر علاقے میں ٹورسٹوں کے لئے کئی ہوٹل بنائے گئے ہیں۔ این جی اوز کی کارکردگی پر مقامی لوگوں نے یہ تبصرہ کیا کہ وہ اس کوشش میں ہیں کہ یہ لوگ یا عیسائی ہو جائیں یا ایسے ہی کافر رہیں۔ بڑی کشش اس علاقے میں شراب کا عام ملنا ہے جو کیلاش خود بناتے ہیں۔ مالدار طبقے کی شراب کی خوب بکری ہے جبکہ غریب طبقہ این جی اوز کے پیسوں پر زندگی گزار رہا ہے۔ اس سب کے باوجود کیلاش کے دانشوروں کا یہ تبصرہ ہے کہ اگر ہم نے مذہب تبدیل کرنا چاہا تو پھر اسلام ہی قبول کریں گے جو کہ حق مذہب ہے۔ ورنہ عیسائیت کے مقابلے میں ہمارا اپنا طریقہ ہی اچھا ہے۔

مقامِ شکر

(ادارہ)

؎ اسلام کو قدرت نے فطرت میں لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

خدا خدا کر کے ترکیہ میں لادینیت آخری شکست کھا کر میدان چھوڑ گئی۔ ایک وہ وقت تھا جب فری میسن کے تربیت یافتہ، کفار کے خاص ایجنٹ کمال اتاترک نے دیندار طبقہ، علماء، طلباء اور مخلص مسلمانوں کو جہاد کے نام پر منظّم کر کے دشمنوں سے اتنا لڑایا کہ اُن کا خاتمہ ہی کر دیا اور اچانک برطانیہ نے اقتدار کمال اتاتُرک کے حوالے کر دیا، جس نے خلافت کا خاتمہ کر کے لادینی (Secular) نظام کا نفاذ کر دیا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں جب لائیڈ جارج سے یہ سوال ہوا کہ اتنی جنگ کے بعد آپ نے اقتدار مسلمانوں کے حوالے کر دیا؟ تو جواب میں اُس نے کہا یہ تب کیا جب وہاں سے اسلام اور خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ کمال اتاترک نے ترکی زبان کا عربی رسم الخط ختم کر کے انگریزی رسم الخط کر دیا اور اذان اور نماز ترکی زبان میں کر دی۔ چنانچہ عرصۂ دراز تک ترک دس نمازیں پڑھتے رہے۔ پانچ نمازیں مسجدوں میں ترکی زبان میں اور پانچ جا کر تہہ خانوں میں عربی میں۔ پتلون، ٹائی اور ہیٹ لازمی کر دیا گیا تھا۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس موقع پر کہا

؎ چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

اُس وقت سے اس دور تک ترکی فوج ترکی کے دیندار، غیرتی، محنتی مسلمانوں کی خون پسینے کی حاصل کردہ کمائی انتہائی بے غیرتی اور ڈھٹائی سے کھاتی رہی ہے اور کفار کے ایجنٹ بن کر ملک میں سیکولر نظام کی پشت پناہی کرتی رہی ہے۔ رحمت نازل ہو اُن دانشوروں پر جنھوں نے ان تھک محنت مشقت کرتے ہوئے بغیر کشت وخون کے جمہوری ترتیب سے ہی فوج کے ان بے وقوف اور غدار افراد کو شکست دی۔ دعا ہے کہ ان کی سرگرمیاں مزید رنگ لائیں اور ترکیہ کو اللہ تعالیٰ مکمل اسلامی نظام اور اُس کی برکات سے نوازے۔ آمین!

روزہ

(حضرت مولانا شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فضائل اعمال سے انتخاب)

" عن ابی عبیدةؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الصیام جنة مالم یخرقها "

ترجمہ: (حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالے)

ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی ڈھال سے اپنی حفاظت کرتا ہے اسی طرح روزہ سے بھی اپنے دشمن یعنی شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ روزہ حفاظت ہے اللہ کے عذاب سے، دوسری روایت میں ہے کہ روزہ جہنم سے حفاظت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ روزہ کس چیز سے پھٹ جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ اور غیبت سے۔ ان دونوں روائیتوں میں اور اسی طرح اور بھی متعدد روایات میں روزہ میں اس قسم کے امور سے بچنے کی تاکید آئی ہے اور روزہ کا گویا ضائع کر دینا اس کو قرار دیا ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں روزہ کے کاٹنے کے لئے مشغلہ اس کو قرار دیا جاتا ہے کہ واہی تباہی میری تیری باتیں شروع کر دی جائیں۔ بعض علماء کے نزدیک جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ان حضرات کے نزدیک ایسی ہیں جیسے کہ کھانا پینا وغیرہ سب روزہ کو توڑنے والی اشیاء ہیں۔ جمہور کے نزدیک اگر چہ روزہ ٹوٹتا نہیں، مگر روزہ کی برکات جاتے رہنے سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ مشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ امور تحریر فرمائے ہیں کہ روزہ دار کو ان کا اہتمام ضروری ہے۔ اول نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے حتّٰی کہ کہتے ہیں کہ بیوی پر بھی شہوت کی نگاہ نہ پڑے پھر اجنبی کا کیا ذکر اور اسی طرح کسی لہو ولعب وغیرہ ناجائز جگہ پر نہ پڑے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو شخص اس سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بچ رہے اللہ تعالیٰ اس کو ایسا نور ایمانی نصیب فرماتے ہیں جس کی حلاوت اور لذت قلب میں محسوس کرتا ہے۔ صوفیاء نے بے محل کی تفسیر یہ کی ہے کہ ہر ایسی چیز کا دیکھنا اس میں داخل ہے جو دل کو اللہ سے غافل کر دے، جھوٹ، چغل خوری، لغو بکواس، غیبت، بدگوئی بدکلامی، جھگڑا وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے اس لئے روزہ دار کو چاہئے کہ زبان سے کوئی فحش بات یا جہالت کی بات مثلاً تمسخر جھگڑا وغیرہ نہ کرے۔ اگر کوئی دوسرا جھگڑنے لگے تو کہے کہ میرا روزہ

ہے یعنی دوسرے کی ابتداء کرنے پر بھی اس سے نہ الجھے۔ اگر وہ سمجھنے والا ہو تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے اور اگر وہ بیوقوف نا سمجھ ہو تو اپنے دل کو سمجھا دے کہ تیرا روزہ ہے، تجھے ایسی لغویات کا جواب مناسب نہیں۔ بالخصوص غیبت اور جھوٹ سے تو بہت ہی احتراز ضروری ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ ناقابل برداشت بن گئی، ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہ کرام ؓ نے نبی کریم سے دریافت کیا تو حضور ﷺ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا، دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ خون نکلا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔ اس حدیث سے ایک مضمون اور بھی مترشح ہوتا ہے کہ غیبت کرنے کی وجہ سے روزہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ دونوں عورتیں مرنے کی قریب ہوگئیں۔ اسی طرح اور بھی گناہوں کا حال ہے اور تجربہ اس کی تائید کرتا ہے کہ روزہ میں اکثر متقی لوگوں پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور فاسق لوگوں کی اکثر بری حالت ہوتی ہے اس لئے اگر یہ چاہیں کہ روزہ نہ لگے تب بھی اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ گناہوں سے اس حالت میں احتراز کریں بالخصوص غیبت سے جس کو لوگوں نے روزہ کاٹنے کا مشغلہ تجویز کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں غیبت کو اپنے بھائی کے مردار گوشت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور احادیث میں بھی بکثرت اس قسم کے واقعات ارشاد فرمائے گئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کا حقیقۃً گوشت کھایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ دانتوں میں خلال کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے تو آج گوشت چکھا بھی نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فلاں شخص کا گوشت تمہارے دانتوں کو لگ رہا ہے، معلوم ہوا کہ ان کی غیبت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ میں رکھے کہ ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ عوام کا ذکر نہیں خواص مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو دنیادار کہلاتے ہیں دین داروں کی مجالس بھی بالعموم اس سے کم خالی ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اکثر اس کو غیبت بھی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اگر اپنے یا کسی کے دل میں کچھ کھٹکا بھی پیدا ہو تو اس پر اظہار واقعہ کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے کسی دریافت کیا کہ غیبت کیا چیز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا

کہ کسی کی پس پشت ایسی بات کرنی جو اسے ناگوار ہو۔سائل نے پوچھا کہ اگر اس میں واقعۃً وہ بات موجود ہو جو کہی گئی۔حضورﷺ نے فرمایا جب ہی تو غیبت ہے اگر واقعۃً موجود نہ ہو تب تو بہتان ہے۔ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا تو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے۔ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے، دوسرے کو پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔

تیسری چیز جس کا روزہ دار کو اہتمام ضروری ہے وہ کان کی حفاظت ہے ہر مکروہ چیز سے جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ غیبت کا کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

چوتھی چیز باقی اعضاءِ بدن مثلاً ہاتھ کا ناجائز چیز کے پکڑنے سے، پاؤں کا ناجائز چیز کی طرف چلنے سے روکنا اور اسی طرح اور باقی اعضاءِ بدن کا۔اسی طرح پیٹ کا افطار کے وقت مشتبہ چیز سے محفوظ رکھنا۔جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے افطار کرتا ہے اس کا حال اس شخص کا سا ہے کہ کسی مرض کے لئے دوا کرتا ہے اس میں تھوڑا سا سنکھیا بھی ملا لیتا ہے کہ اس مرض کے لئے تو وہ دوا مفید ہو جائے گی مگر یہ زہر ساتھ ہی ہلاک بھی کر دے گا۔

پانچویں چیز افطار کے وقت حلال مال سے بھی اتنا زیادہ نہ کھانا کہ شکم سیر ہو جائے اس لئے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔مقصود روزہ سے قوتِ شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا ہے اور قوت نورانیہ اور ملکیہ کا بڑھانا ہے۔گیارہ مہینہ تک بہت کچھ کھایا ہے اگر ایک مہینہ اس میں کچھ کمی ہو جائے گی تو کیا جان نکل جاتی ہے۔مگر ہم لوگوں کا حال ہے کہ افطار کے وقت تلافی مافات (پچھلی کمی پوری کرنا) میں اور سحر کے وقت حفظ ماتقدم (آئندہ کھانا نہ کھانے کا بندوبست کر لینا) میں اتنی زیادہ مقدار کھا لیتے ہیں کہ بغیر رمضان کے اور بغیر روزہ کی حالت کے اتنی مقدار کھانے کی نوبت بھی نہیں آئی۔رمضان المبارک بھی ہم لوگوں کے لئے خوید (کھانا پینا) کا کام دیتا ہے۔علامہ غزالیؒ لکھتے ہیں کہ روزہ کی غرض یعنی قہر ابلیس اور شہوت نفسانیہ کا توڑنا کیسے حاصل ہو سکتا ہے اگر آدمی افطار کے وقت اس مقدار کی تلافی کر لے جو فوت ہوئی۔حقیقۃً ہم لوگ بجز اس کے کہ اپنے کھانے کے اوقات بدل دیتے ہیں اس کے سوا کچھ بھی کمی نہیں کرتے، بلکہ اور زیادہ مختلف انواع کی چیزوں کا اضافہ کر جاتے ہیں جو بغیر رمضان کے میسر نہیں ہوتی۔لوگوں کی کچھ

ایسی عادت ہوگئی ہے کہ عمدہ عمدہ اشیاء رمضان کے لئے رکھتے ہیں اور نفس دن بھر کے فاقہ کے بعد جب ان پر پڑتا ہے تو خوب زیادہ سیر ہو کر کھاتا ہے تو بجائے قوتِ شہوانیہ کے ضعیف ہونے کے اور بھڑک اٹھتی ہے اور جوش میں آجاتی ہے اور مقصد کے خلاف ہو جاتی ہے۔ روزہ کے اندر مختلف اغراض اور فوائد اور اس کے مشروع ہونے سے مختلف منافع مقصود ہیں وہ سب جب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کچھ بھوکا بھی رہے۔ بڑا نفع تو یہی ہے جو معلوم ہو چکا یعنی شہوتوں کا توڑنا۔ یہ بھی اسی پر موقوف ہے کہ کچھ وقت بھوک کی حالت میں گذرے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے اس کے راستوں کو بھوک سے بند کرو۔ تمام اعضاء کا سیر ہونا نفس کے بھوکا رہنے پر موقوف ہے۔ جب نفس بھوکا رہتا ہے تو تمام اعضاء سیر رہتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے رہتے ہیں۔ دوسری غرض روزہ سے فقراء کے ساتھ تشبہ اور اُن کے حال پر نظر ہے وہ بھی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب سحر میں معدہ کو دودھ جلیبی سے اتنا نہ بھر لے کہ شام تک بھوک ہی نہ لگے۔ فقراء کے ساتھ مشابہت جب ہی ہو سکتی ہے جب کچھ وقت بھوک کی بیتابی کا بھی گذرے۔ بشر حافیؒ کے پاس ایک شخص گئے وہ سردی میں کانپ رہے تھے اور کپڑے پاس رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ وقت کپڑے نکالنے کا ہے فرمایا کہ فقراء بہت ہیں اور مجھ میں ان کی ہمدردی کی طاقت نہیں، اتنی ہمدردی کرلوں کہ میں بھی ان جیسا ہو جاؤں۔ مشائخ صوفیاء نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ صاحب مرقی الفلاحؒ لکھتے ہیں کہ سحور میں زیادتی نہ کرے جیسا کہ متنعم لوگوں کی عادت ہے کہ یہ روزہ کی غرض کو فوت کر دیتا ہے۔ علامہ طحاویؒ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ غرض کا مقصود یہ کہ بھوک کی تلخی کچھ محسوس ہوتا کہ زیادتی ثواب کا سبب ہو اور مساکین وفقراء پر ترس آسکے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی برتن کا بھرنا اس قدر ناپسند نہیں ہے جتنا کہ پیٹ کا پر ہونا ناپسند ہے۔ ایک جگہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں جن سے کمر سیدھی رہے۔ اگر کوئی شخص بالکل کھانے پر تل جائے تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کے لئے رکھے اور ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی خالی۔ آخر کوئی تو بات تھی کہ نبی کریم ﷺ کئی کئی روز تک مسلسل لگاتار روزہ رکھتے تھے کہ درمیان میں کچھ بھی نوش نہیں فرماتے تھے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کو پورے رمضان

المبارک دیکھا ہے کہ افطار و سحر دونوں وقت کی مقدار تقریباً ڈیڑھ چپاتی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔کوئی خادم عرض بھی کرتا تو فرماتے کہ بھوک نہیں ہوتی۔دوستوں کے خیال سے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں اور اس سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گذر جاتے تھے کہ تمام شب کی مقدار سحر و افطار بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ نے لجاجت سے عرض کیا کہ ضعف بہت ہو جائے گا حضرت کچھ تناول ہی نہیں فرماتے تو حضرت نے فرمایا کہ الحمدللہ جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سیہ کاروں کو بھی ان پاک ہستیوں کا اتباع نصیب فرمادیں۔تو زہے نصیب۔مولانا سعدیؒ فرماتے ہیں

ے
ندارند تن پروراں آگہی   که پر معده باشد ز حکمت تہی

ترجمہ:تن پرور لوگوں کو اس کا پتہ نہیں کہ بھرا ہوا معدہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

چھٹی چیز جس کا لحاظ روزہ دار کے لئے ضروری فرماتے ہیں یہ ہے کہ روزہ کے بعد اس سے ڈرتے رہنا بھی ضروری ہے کہ نہ معلوم یہ روزہ قابل قبول ہے یا نہیں اور اسی طرح ہر عبادت کے ختم پر کہ نہ معلوم کوئی لغزش جس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا ایسی تو نہیں ہو گئی جس کی وجہ سے یہ منہ پر مار دیا جائے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ہیں کہ قرآن پاک ان کو لعنت کرتا رہتا ہے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جن لوگوں کا اولین وہلہ میں فیصلہ ہوگا (ان کے من جملہ) ایک شہید ہوگا جس کو بلایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے جو جو انعام دنیا میں اس پر ہوئے تھے وہ اس کو جتائے جائیں گے۔وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا۔اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں میں کیا حق ادائیگی کی۔وہ عرض کرے گا کہ تیرے راستہ میں قتال کیا حتی کہ شہید ہو گیا۔ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے بلکہ قتال اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں،سو کہا جا چکا۔اس کے بعد حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ایسے ہی ایک عالم بلایا جائے گا اس کو بھی اسی طرح سے اللہ کے انعامات بتلا کر پوچھا جائے گا کہ ان انعامات کے بدلے میں کیا کارگزاری ہے۔وہ عرض کرے گا کہ علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کی خاطر تلاوت کی۔ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ علامہ کہیں،سو

کہا جا چکا۔اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔اسی طرح ایک دولتمند بلایا جائے گا،اس سے انعاماتِ الٰہی شمار کرانے اور اقرار لینے کے بعد پوچھا جائے گا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا عمل کیا،وہ کہے گا کہ کوئی خیر کا راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں میں نے کچھ خرچ نہ کیا ہو۔ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ سخی کہیں،سو کہا جا چکا۔اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائیں کہ یہ سب بدنیتی کے ثمرات ہیں۔اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں مذکور ہیں۔اس لئے روزہ دار کو اپنی نیت کی حفاظت کے ساتھ اس سے خائف بھی رہنا چاہئے اور دعا بھی کرتے رہنے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رضا کا سبب بنالیں۔مگر ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اپنے عمل کو قابلِ قبول نہ سمجھنا امر آخر اور کریم آقا کے لطف پر نگاہ امر آخر ہے اس کے لطف کے انداز بالکل نرالے ہیں۔معصیت پر بھی کبھی ثواب دے دیتے ہیں تو پھر کوتاہی عمل کا کیا ذکر

خوبی ہمیں کہ شمہ و ناز و خرام نیست　　　بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

یہ چھ چیزیں عام صلحاء کے لئے ضروری بتلائی جاتی ہیں۔خواص اور مقربین کے لئے ان کے ساتھ ایک ساتویں چیز کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ دل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی طرف بھی متوجہ نہ ہونے دے حتیٰ کہ روزہ کی حالت میں اس کا خیال اور تدبیر کہ افطار کے لئے کوئی چیز ہے یا نہیں،یہ بھی خطا فرماتے ہیں۔بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ روزہ میں شام کو افطار کے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کا قصد بھی خطا ہے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ رزق پر اعتماد کی کمی ہے۔شرح احیاء میں بعض مشائخ کا قصہ لکھا ہے کہ اگر افطار کے وقت سے پہلے کوئی چیز کہیں سے آجاتی تھی تو اس کو کسی دوسرے کو دے دیتے تھے مبادا دل کو اس کی طرف التفات ہو جائے اور توکل میں کسی قسم کی کمی ہو جائے۔مگر یہ امور بڑے لوگوں کے لئے ہیں ہم لوگوں کو ان امور کی ہوس کرنا بھی بے محل ہے اور اس حالت پر پہنچے بغیر اس کو اختیار کرنا اپنے ہلاکت میں ڈالنا ہے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ ’’**کتب علیکم الصیام**‘‘ میں آدمی کے ہر جزو پر روزہ فرض کیا گیا ہے پس زبان کا روزہ جھوٹ وغیرہ سے بچنا ہے اور کان کا روزہ ناجائز چیزوں کے سننے سے احتراز،آنکھ کا روزہ لہو لعب کی چیزوں سے احتراز ہے اور ایسے ہی باقی اعضاء حتیٰ کہ نفس کا روزہ حرص و شہوتوں سے بچنا،دل کا روزہ حبِ دنیا سے خالی رکھنا،روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی احتراز اور سرِّ خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔

اسلام، پاکستان اور ڈاکٹر عبدالسلام

(انجینئر نجیب الدین محمد صاحب)

مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال مرحوم نے قادیانیوں کے بارے میں کہا تھا ''مرزائیت اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہے کہ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے۔'' (حرف اقبال۔لطیف احمد شیرانی) ایک اور موقع پر فرمایا ''ہمیں دنیائے اسلام سے متعلق قادیانیوں کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے'' مفکر پاکستان کے اس دیس میں تو آج کوئی لیڈر قادیانیوں کو بھائی قرار دے رہا ہے (نواز شریف) تو کوئی صوبے کا اعلیٰ وزیر ذہین بچوں کی تقریب میں انہیں ڈاکٹر عبدالسلام (قادیانی) کو بطور رول ماڈل اپنانے کی نصیحت کر رہا ہے۔ کالم نگار حضرات الگ قادیانیوں کے ساتھ ناانصافیوں کا رونا رو رہے ہیں۔ اور تو اور جب قادیانی احمدی جماعت کی طرف سے ملک کے بڑے فلاحی ادارے کو چندہ ملا تو ٹرسٹ کے سربراہ نے اپنی روایتی بے وقوفی کا اظہار کرتے ہوئے احمدی جماعت کی دینی محنتوں کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ ملک پر کیا عجیب وقت آ گیا ہے کہ معصوم، بے گناہ مسلمانوں کو تو ہتھکڑیاں پہنا کر ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا جا رہا ہے اور چور، بدمعاش، غدار اور آستین کے سانپوں کے گلے میں ہار ڈال کر ان کی پذیرائی کی جا رہی ہے۔ اپنے ذاتی مفاد، اقتدار، بیرونی آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے آدمی اس حد تک گر جائے کہ آقائے نامدار ﷺ کے دشمنوں کی تعریف و توصیف کرے۔ اسلام اور ایمان کی سرحد تو یہاں پر ختم ہو جاتی ہے۔ ''اللّٰھم احفظنا منہ''

قادیانی جماعت کی اسلام دشمنی اور پاکستان دشمنی کے اتنے ٹھوس ثبوت منظر عام پر آ چکے ہیں کہ ان کا انکار کسی صورت میں ممکن نہیں۔ باقیوں کو چھوڑ کر اگر ہم صرف ڈاکٹر عبدالسلام کا جائزہ لیں جو کہ ''پہلا'' نوبل انعام یافتہ ''مسلمان سائنسدان'' کی نسبت سے شہرت رکھتے ہیں، جنہیں بطور رول ماڈل اپنانے کی نصیحتیں کی جاتی ہیں، جن کے لئے کالم نگار حضرات رونا روتے ہیں کہ ملک نے ان کی صلاحیتوں کی صحیح قدر نہ کی اور ان کا صلہ نہیں دیا گیا۔ اس ضمن میں دو واقعات پیش کئے جاتے

ہیں کہ یہ ''مظلوم'' سائنسدان کتنا ''محبّ وطن'' مخلص مسلمان تھا۔ پہلا واقعہ جناب زاہد ملک صاحب (ایڈیٹر پاکستان آبزرور وہفت روزہ حرمت) نے اپنی کتاب ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم'' میں تحریر کیا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ پاکستان کے ایک بہت سینیئر سفارت کار نے مجھے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا ذاتی دوست سمجھ کر سنایا تھا۔ میں کوشش کروں گا کہ اس واقعہ کا ذکر ان کے اپنے الفاظ میں کروں۔ یاد رہے کہ یہ واقعہ اس وقت کی بات ہے جب ملک کا ایٹمی پروگرام ابتدائی مراحل میں تھا اور دشمنوں کی سازشوں سے بچنے کے لئے اسے مکمل صیغہ راز میں رکھا گیا تھا۔

''اپنے ایک امریکی دورے کے دوران سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں اعلیٰ امریکی افسران سے باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو کر رہا تھا کہ دورانِ گفتگو امریکیوں نے حسب معمول پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا ذکر شروع کر دیا اور دھمکی دی کہ اگر پاکستان نے اس حوالے سے اپنی پیش رفت فوراً بند نہ کی تو امریکی انتظامیہ کے لئے پاکستان کی امداد جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ ایک سینیئر یہودی افسر نے کہا ''نہ صرف یہ بلکہ پاکستان کو اس کے سنگین نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔'' جب ان کی گرم سرد باتیں اور دھمکیاں سننے کے بعد میں نے کہا کہ آپ کا یہ تاثر غلط ہے کہ پاکستان ایٹمی توانائی کے حصول کے علاوہ کسی اور قسم کے ایٹمی پروگرام میں دلچسپی رکھتا ہے۔ تو سی آئی اے (CIA) کے ایک افسر نے جو اسی اجلاس میں موجود تھا، کہا کہ آپ ہمارے دعویٰ کو نہیں جھٹلا سکتے۔ ہمارے پاس آپ کے ایٹمی پروگرام کی تمام تر تفصیلات موجود ہیں، بلکہ آپ کے اسلامی بم کا ماڈل بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ کہہ کر سی آئی اے کے افسر نے قدرے غصے بلکہ نا قابل برداشت بدتمیزی کے انداز میں کہا کہ آیئے میرے پاس بازو والے کمرے میں۔ میں آپ کو بتاؤں آپ کا اسلامی بم کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا۔ دوسرے امریکی افسران بھی اٹھ بیٹھے، میں بھی اٹھ بیٹھا۔ ہم سب اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سی آئی اے کا افسر ہمیں دوسرے کمرے میں میں کیوں لے کر جا رہا ہے اور وہاں جا کر یہ کیا کرنے والا ہے۔ اتنے میں ہم سب ایک ملحقہ کمرے میں داخل ہو گئے۔ سی آئی اے کا افسر تیزی سے قدم اٹھا رہا تھا۔ ہم سب اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ کمرے

کے آخر میں جا کر اس نے بڑے غصے کے عالم میں اپنے ہاتھ سے ایک پردہ کو سرکایا، تو سامنے میز پر کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کا ماڈل رکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دوسری طرف ایک سٹینڈ پر فٹ بال نما کوئی گول سی چیز رکھی ہوئی تھی۔ سی آئی اے کے افسر نے کہا یہ ہے آپ کا اسلامی بم، اب بولو تم کیا کہتے ہو۔ کیا تم اب بھی اسلامی بم کی موجودگی سے انکار کرتے ہو، میں نے کہا میں فنی اور تکنیکی امور سے نابلد ہوں، میں یہ بتانے یا پہچان کرنے سے قاصر ہوں کہ یہ فٹ بال قسم کا گولہ کیا چیز ہے، اور یہ کس چیز کا ماڈل ہے۔ لیکن اگر آپ لوگ بضد ہیں کہ یہ اسلامی بم ہے تو ہوگا، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سی آئی اے افسر نے کہا آپ لوگ تردید نہیں کر سکتے ہو، ہمارے پاس ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں۔ آج کی میٹنگ (Meeting) ختم کی جاتی ہے۔ میرا سر چکرا رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جب ہم کو کاریڈور سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے تو میں نے غیر ارادی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک دوسرے کمرے سے نکل کر اس کمرے میں داخل ہو رہے ہیں، جس میں بقول سی آئی اے افسر کے کہ اس میں اسلامی بم کا ماڈل پڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اچھا تو یہ بات ہے۔ پاکستان بننے کے کچھ عرصے بعد جب ایٹمی انرجی کمیشن قائم ہوا، تو ڈاکٹر عبدالسلام نے حکومت کے خرچے پر پانچ سو (۵۰۰) طلبہ و ماہرین کو اعلیٰ تحقیق و تعلیم کے لئے امریکہ و برطانیہ بھیجنے کا منصوبہ بنایا۔ ان طلبہ اور ماہرین کی اکثریت قادیانی مذہب سے تعلق رکھتی تھی، یہ لوگ واپس آ کر حساس کلیدی عہدوں بالخصوص ایٹمی انرجی کمیشن میں فائز ہو گئے، اس طاقتور قادیانی لابی کی وجہ سے بہت سے مخلص سائنسدان ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی حال بھارتی مسلمان ایٹمی سائنسدان ابوالکلام کے ساتھ ہوا جنہوں نے کچھ عرصہ پہلے انٹرویو میں کہا تھا کہ میں بعض طاقتور لابیوں کے دباؤ کی وجہ سے پاکستان میں کام نہ کر سکا اور واپس ہندوستان چلا آیا۔ اس قادیانی لابی کی وجہ سے ایٹمی انرجی کمیشن میں پاکستان کے ایٹمی قوت بنانے کے سلسلے میں معمولی کام بھی نہیں ہوا۔ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جب اپنی خدمات پاکستان کے سپرد کی تھیں، تو اس لابی نے اس کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے پاکستان چھوڑ کر ہالینڈ جانے کا ارادہ کیا۔ اس وقت کے زیرک اور ذہین وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ان

سازشوں کو بھانپ لیا اور فوری طور پر وقت ضائع کئے بغیر ۳۱ جولائی ۱۹۷۶ کو کہوٹہ انجینئرنگ لیبارٹریز (project 706) کے نام سے اسے خودمختار ادارہ بنادیا جس میں تمام تر عمل و دخل صرف ڈاکٹر عبد القدیر خان کو تھا۔ جس کا سرکاری نام اب ''ڈاکٹر اے کیو خان ریسرچ لیباٹریز'' ہے۔ غرض ڈاکٹر عبدالسلام نے مغربی طاقتوں اور اسرائیل کے اشارے پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ناکام بنانے اور محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان سمیت تمام محبّ وطن سائنسدانوں کو بے حوصلہ کرنے کے متعدد اقدامات کئے۔ پاکستان کے ایٹمی راز ملک دشمن کو فراہم کئے، انہیں کہوٹہ سنٹر اور دوسرے حساس قومی معاملات کی ایک ایک خبر پہنچائی۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ پاکستان کبھی دفاع کے معاملے میں خودکفیل نہ ہوسکے اور ہمیشہ بڑی طاقتوں کا دست نگر رہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے عالمی صلاحیتوں کا پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ البتہ بھارت کے لئے اس نے اپنے علم کو خوب نچھاور کیا جس کے صلے میں تین بھارتی یونیورسٹیوں نے انہیں ''ڈاکٹریٹ آف سائنس'' کی اعزازی ڈگریاں دیں اور بعض اور اداروں نے دوسرے ایوارڈ دیئے۔

یہ ''محبّ وطن'' پاکستانی سائنسدان مسلمانوں کے بارے میں کیا رائے رکھتا تھا، اس سلسلے میں معروف کالم نگار جناب تنویر قیصر شاہ کا واقعہ پیش خدمت ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''ایک دفعہ لندن میں قیام کے دوران بی بی سی لندن کی طرف سے میں اپنے ایک دوست کے ساتھ بطور معاون ڈاکٹر عبدالسلام کے گھر ان کا تفصیلی انٹرویو کرنے گیا۔ میرے دوست نے ڈاکٹر عبدالسلام کا خاصا طویل انٹرویو کیا اور ڈاکٹر عبدالسلام نے بڑی تفصیل کے ساتھ جوابات دیئے۔ انٹرویو کے دوران میں بالکل خاموش رہا اور پوری دلچسپی کے ساتھ سوال و جواب سنتا رہا۔ دوران انٹرویو انہوں نے ملازم کو کھانا دسترخوان پر لگانے کا حکم دیا۔ انٹرویو کے تقریباً آخر میں ڈاکٹر عبدالسلام مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا'' آپ معاون کے طور پر تشریف لائے ہیں، مگر آپ نے کوئی سوال نہیں کیا؟ میری خواہش ہے کہ آپ بھی کوئی سوال کریں۔'' ان کے اصرار پر میں نے عاجزی سے کہا چونکہ میرا دوست بڑا جامع انٹرویو کر رہا ہے اور میں اس میں کوئی تشنگی محسوس نہیں کر رہا، ویسے بھی میں آپ کی

شخصیت اور آپ کے کام کو اچھی طرح جانتا ہوں، میں نے آپ کے متعلق خاصا پڑھا بھی ہے، جھنگ سے لیکر اٹلی تک آپ کے تمام سرگرمیاں میری نظروں سے گزرتی رہی ہیں پھر بھی ایک خاص مصلحت کے تحت میں اس سلسلے میں کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام فخریہ انداز میں مسکرائے اور ایک مرتبہ پھر انہوں نے علمی گھمنڈ اور غرور سے مجھے ''مفتوح'' سمجھتے ہوئے ''فاتح'' کے انداز میں حملہ آور ہوتے ہوئے کہا ''نہیں، آپ سوال ضرور کریں مجھے خوشی ہوگی۔'' بالآخر ڈاکٹر صاحب کے پرزور اصرار پر میں نے انہیں کہا کہ آپ وعدہ کریں کہ کسی تفصیل میں گئے بغیر میرے سوال کا دوٹوک الفاظ میں ''ہاں یا نہیں'' جواب دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے وعدہ فرمایا کہ ''ٹھیک! بالکل ایسا ہی ہوگا'' میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ چونکہ آپ کا تعلق قادیانی جماعت سے ہے، جو نہ صرف حضور نبی کریم ﷺ کے بحیثیت آخری نبی منکر ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ کے بعد آپ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتے ہیں، جب کہ مسلمان مرزا قادیانی کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہ ماننے پر آپ مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟'' اس پر ڈاکٹر عبدالسلام بغیر کسی توقف کے بولے کہ ''میں ہر اس شخص کو کافر سمجھتا ہوں جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتا۔'' ڈاکٹر عبدالسلام کے اس جواب پر میں نے کہا کہ مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا۔ اس موقع پر انہوں نے اخلاق سے گری ہوئی ایک عجیب حرکت کی کہ اپنے ملازم کو بلا کر دسترخوان سے کھانا اٹھوا دیا۔ ڈاکٹر صاحب کو پریشان دیکھ کر ہم دونوں دوست ان سے اجازت لے کر رخصت ہوئے۔''

یہ ایک المیہ ہے کہ قادیانیوں کے مکر و فریب اور سازشوں کی بھٹیوں میں پاکستان مدتوں سے جل رہا ہے اور نام نہاد دانشوروں کا ایک خاص گروہ جن کی عقلوں پر جہالت اور اغراض کے دھندلکوں اور جالوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ قادیانیت کو مضبوط بنانے میں مصروف ہیں، یہ لوگ چند ٹکوں کی خاطر وطن کی سالمیت اور ناموس سے کھیل جاتے ہیں، یہ ایک ایسا سانحہ ہے کہ جس سے ایک بے رحم مورخ ہی بے نقاب کر سکتا ہے۔

ناشکری

(حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بہشتی زیور سے انتخاب)

جناب رسول ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے۔ ایک کوڑھی، دوسرا گنجا، تیسرا اندھا۔ خداوند کریم نے ان کو آزمانا چاہا۔ اور ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ پہلے وہ کوڑھی کے پاس آیا اور پوچھا کہ تجھ کو کیا چیز پیاری ہے؟ اس نے کہا مجھے اچھی رنگت اور خوبصورت کھال مل جائے اور یہ بلا جاتی رہے جس کی وجہ سے لوگ مجھے اپنے پاس بیٹھنے نہیں دیتے اور گھن کرتے ہیں۔ اس فرشتے نے اپنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیر دیا، وہ اسی وقت اچھا ہو گیا اچھی اور خوبصورت کھال نکل آئی۔ پھر پوچھا کون کون سے مال سے زیادہ رغبت ہے؟ اس نے کہا اونٹ سے۔ پس ایک گابھن اونٹنی بھی اس کو دیدی اور کہا اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے۔ پھر گنجے کے پاس آیا اور پوچھا کہ تجھ کو کیا چیز پیاری ہے؟ کہا میرے بال اچھے نکل آئیں اور یہ بلا جاتی رہے لوگ جس سے گھن کرتے ہیں۔ فرشتے نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیر دیا، وہ فوراً اچھا ہو گیا اور اچھے بال نکل آئے۔ پھر پوچھا کونسا مال پسند ہے؟ اس نے کہا گائے، پس ایک گابھن گائے بھی اس کو دیدی اور کہا اللہ تعالیٰ اس میں برکت بخشے۔ پھر اندھے کے پاس آیا اور پوچھا کہ تجھ کو کیا چیز چاہیئے؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میری نگاہ درست کر دے کہ سب آدمیوں کو دیکھوں۔ اس فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ درست کر دی، پھر پوچھا تجھے کیا مال پیارا ہے؟ کہا بکری۔ پس اس کو ایک گابھن بکری دیدی۔ تینوں کے جانوروں نے بچے دیئے۔ تھوڑے دنوں میں اس کے اونٹوں سے جنگل بھر گیا اور اس کی گائیوں سے اور اس کی بکریوں سے۔ پھر وہ فرشتہ خدا کے حکم سے اسی پہلی صورت میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں، میرے سفر کا سامان چک گیا ہے، آج میرے پہنچنے کا کوئی وسیلہ نہیں سوائے خدا کے اور پھر تیرا۔ میں اس اللہ کے نام پر جس نے تجھے اچھی رنگت اور کھال عنایت فرمائی، تجھ سے اونٹ مانگتا ہوں کہ اس پر سوار ہو کر اپنے گھر پہنچ جاؤں۔ وہ بولا یہاں سے چل دور ہو، مجھے اور بہت حقوق ادا کرنے ہیں۔ تیرے دینے کی اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ فرشتے نے کہا شاید تجھ کو

میں پہچانتا ہوں، کیا تو کوڑھی نہیں تھا کہ لوگ تجھ سے گھن کرتے تھے اور کیا تو مفلس نہیں تھا، پھر خدا نے تجھ کو اس قدر مال عنایت فرمایا۔ اس نے کہا واہ کیا خوب یہ مال میری کئی پشتوں سے باپ دادا کے وقت سے چلا آتا ہے۔ فرشتے نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ پھر گنجے کے پاس پہلی صورت میں آیا اور اس طرح سے اس سے بھی سوال کیا، اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔ فرشتے نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ پھر اندھے کے پاس پہلی صورت میں آیا اور کہا کہ میں مسافر ہوں، بے سامان ہو گیا ہوں، آج بجز خدا کے اور پھر تیرے کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ میں اس کے نام پر جس نے دوبارہ تجھ کو نگاہ بخشی، تجھ سے ایک بکری مانگتا ہوں کہ اس سے اپنی کاروائی کر کے اپنی ضرورت پوری کروں۔ اس نے کہا بیشک میں اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے مجھے نگاہ بخشی۔ جتنی بکریاں تیرا دل چاہے لے جا اور جتنی چاہے چھوڑ جا۔ خدا کی قسم کسی چیز سے میں تجھ کو منع نہیں کرتا۔ فرشتے نے کہا تو اپنا مال اپنے پاس رکھ، مجھ کو کچھ نہیں چاہئے، فقط تم تینوں کی آزمائش منظور تھی سو ہو چکی۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور ان دونوں سے ناراض ہے۔

خیال کرنا چاہئے کہ ان دونوں کو ناشکری کا کیا نتیجہ ملا کہ تمام نعمت چھن گئی اور جیسے تھے ویسے ہی رہ گئے اور خدا ان سے ناراض ہوا۔ دنیا اور آخرت دونوں میں نامراد رہے اور اس شخص کو شکر کی وجہ سے کیا عوض ملا کہ نعمت بحال رہی اور خدا اس سے خوش ہوا اور وہ دنیا اور آخرت میں شاد اور بامراد ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆

صفحہ ۳۴ سے آگے: ان میں سے ایک شخص کھانا لینے چلا گیا۔ اس کے دل میں آیا کہ اگر میں اس کھانے میں زہر ملا دوں تو یہ دونوں مر جائیں گے اور میں تنہا تمام سونے کا مالک بن جاؤں گا۔ ادھر ان دونوں نے تیسرے کے خلاف سازش تیار کی کہ جب وہ کھانا لے کر آئے تو موقع پا کر اسے قتل کر دیا جائے اور مال ہم آدھا آدھا تقسیم کر لیں۔ چنانچہ جب وہ کھانا لے کر آیا تو ان دونوں نے اسے قتل کر دیا، پھر اس کا لایا ہوا کھانا کھا کر خود بھی ہلاک ہو گئے۔ سونا وہیں پڑا رہا، اور یہ تینوں اس کے ارد گرد پڑے اپنی لاشیں جنگلی کتوں اور گدھوں سے نُچواتے رہے تھے۔ چند روز بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ادھر سے گزرے تو آپ نے اپنے ہم سفروں سے ارشاد فرمایا دیکھو دنیا کا یہ حال ہے، تم اس سے بچتے رہنا۔

مال کی طمع کا نمونہ

(امام ابو حامد محمد الغزالی کی معرکۃ الآرا تصنیف 'احیاء العلوم' سے انتخاب)

جریر لیث سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت اختیار کی۔ دونوں کسی جگہ کے لئے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ایک نہر کے کنارے پہنچے، دونوں کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، ان کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ دونوں نے ایک ایک روٹی کھائی، تیسری باقی رہی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پینے کے لئے نہر تک تشریف لے گئے، واپس آئے تو تیسری روٹی موجود نہیں تھی۔ آپؑ نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا، اس نے لاعلمی ظاہر کی، آپؑ خاموش ہو گئے، سفر دوبارہ شروع ہوا، راستے میں ایک ہرنی ملی۔ اس کے ساتھ دو بچے تھے۔ آپؑ نے ایک کو بلایا، وہ آیا، آپ نے اسے ذبح کیا اور اس کا گوشت بھونا، آپؑ نے خود کھایا اور اپنے ہم سفر کو بھی کھلایا، پھر اس ہرن کے بچہ سے فرمایا: اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا، بچہ زندہ ہو گیا۔ آپ نے اس شخص سے کہا کہ میں تجھ سے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے یہ معجزہ دکھایا تیسری روٹی کہاں گئی؟ اس شخص نے کہا مجھے نہیں معلوم، اس کے بعد دونوں ایک ایسی وادی تک پہنچے جس میں حد نظر تک پانی ہی پانی بھرا تھا۔ آپؑ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانی پر چل کر وادی عبور کی۔ جب خشکی پر پہنچے تو اس شخص سے کہا میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے یہ معجزہ دکھایا وہ روٹی کس نے لی؟ اس نے پھر یہی کہا کہ میں نہیں جانتا، وہ روٹی کہاں گئی؟ سفر پھر شروع ہوا اس مرتبہ ایک جنگل میں پہنچ کر ٹھہرے آپ نے کچھ مٹی اور اینٹ پتھر جمع کئے اور فرمایا اللہ کے حکم سے سونا بن جا۔ جب اینٹ پتھر اور مٹی کا ڈھیر سونے میں تبدیل ہو گیا تو آپ نے اس کے تین حصے کئے اور فرمایا ایک حصہ میرا، اور ایک حصہ تیرا اور ایک حصہ اس شخص کا جس نے تیسری روٹی لی۔ وہ شخص جلدی سے بولا میں نے ہی تیسری روٹی لی تھی۔ آپ نے وہ تمام سونا اسے دیا اور اس سے علیحدگی اختیار کی اور آگے چل دئے، وہ شخص سونا لئے جنگل میں بیٹھا رہا، اتنے میں دو آدمی وہاں پہنچے، مال دیکھ کر ان کی نیت خراب ہو گئی، ان کا ارادہ ہوا کہ وہ اس شخص کو قتل کر دیں اور اس کا تمام مال چھین لیں۔ اس نے کہا تم مجھے قتل نہ کرو، ہم تینوں ہی اس مال کے برابر حقدار ہوں گے۔ پہلے ایک شخص قریب کے گاؤں جا کر کھانا لے آئے، تینوں مل کر کھا لیں، اس کے بعد آپس میں مال تقسیم کر لیں گے۔

(باقی صفحہ ۳۳ پر)